ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی
سابق پروفیسر ثقافتِ اسلامی کلکتہ یونیورسٹی

دینِ قیّم یعنی اسلام اور اس کے اساسی اُصُول[1]

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ ... فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ

(پھیل گیا ہے فساد تری اور خشکی میں لوگوں کے (بُرے) کرتوت کی وجہ سے ..... پس لگائے رکھو تم اپنا منہ سیدھے راستے کی طرف)

اس آیت میں قرآن مجید نے اس فتنہ و فساد کی وجہ بتائی ہے جو ساتویں صدی عیسوی کی ابتدا میں دنیا کے بعض حصّوں میں پھیلا ہوا تھا اور اس کے رفع کرنے کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس شر و فساد کا اصلی سبب لوگوں کی بداعمالی اور کج رفتاری ہے اور اس کا واحد علاج یہ ہے کہ تم اپنی بے راہ روی کو چھوڑ کر سیدھے راستے پر اپنا قدم جمالو۔ اسی کو مولانا حالی نے نسخۂ کیمیا کا لقب دیا ہے۔

اسی کے استعمال سے عربوں کے خصائل و شمائل میں ایسا عجیب و غریب تغیّرِ عظیم پیدا ہوا کہ اُن کے مختلف قبائل میں جو ہمیشہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہا کرتے تھے، جاں فروشانہ محبّت و مودّت پیدا ہو گئی اور دوسرے ممالک کے باشندے بھی اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے ملکی اور نسلی بھائیوں کو چھوڑ کر عربوں کے جاں نثار دوست بن گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی اور جہاں کہیں بھی فتنہ و فساد کا سیلاب عظیم عام طور پر پھیلتا ہے تو اس کی بنیادی وجہ بنی نوعِ انسان کی ذہنی پراگندگی اور پریشانی اور عملی کج رفتاری ہی ہوا کرتی ہے اور اس کا واحد مؤثر دائمی علاج یہی ہے کہ لوگ "دینِ قیّم" پر اپنے دل و دماغ مرکوز کر لیں اور قدم جمالیں۔ ایک ایسا نسخۂ کیمیا ہے جس سے افراد اور جماعتوں کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ دینِ قیّم کا مفہوم اور اجزائے ترکیبی کیا ہیں:-

مندرجہ بالا آیت میں "دینِ قیّم" سے مراد اسلام ہے اور لفظ اسلام کا لغوی مفہوم ہے سلامتی میں داخل ہونا، کسی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا، اور قرض ادا کرنا، لیکن قرآن مجید میں یہ لفظ دینِ صادق کے لیے

---

[1] بشکریہ سہ ماہی "اسلام اور عصرِ جدید" دہلی (بھارت)

استعمال کیا گیا ہے، اس لیے کہ دینِ صادق کا اختیار کرنے والا امن و سلامتی میں داخل ہوتا ہے، اپنے خالق کے تمام احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے، اس کی عبادت کرکے اس کا قرض اور اپنا فرض ادا کرتا ہے۔

قرآن مجید میں کُل ادیانِ صادقہ کو، جن کی تلقین و تبلیغ ابتدائے آفرینش سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک مختلف انبیائے سابقین مختلف ممالک میں کرتے رہے ہیں، اسلام ہی کا لقب دیا گیا ہے۔ جس دین کی تبلیغ حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ علیہم السلام نے کی تھی وہ اسلام ہی تھا۔ اس میں بھی شک نہیں کہ اور ملکوں کی طرح ہندوستان میں بعض انبیا تشریف لائے اور انھوں نے بھی جو دین پھیلایا وہ اسلام ہی تھا۔ لیکن ان انبیا کے اسمائے گرامی قرآن پاک میں مذکور نہیں ہیں بعض علمائے اسلام کا خیال ہے کہ ان میں سے ایک حضرت کرشن تھے۔

ان سب انبیا کی اساسی تعلیم ایک ہی تھی۔ ان سبھوں نے یہی بتایا اور سکھایا تھا کہ:۔ (۱) تمام دنیا اور مافیہا کی خالق اور مالک اور قائم رکھنے والی ایک ہی ذات پاک ہے، تمام اوصافِ عالیہ، جمیلہ و جلیلہ کی حامل اور قادرِ مطلق ہے، وہ کسی کی محتاج نہیں اور ساری چیزیں اس کی محتاج ہیں۔

(۲) اس کی مخلوقات میں سب سے افضل و اکمل و اشرف انسان ہے۔ دوسری ساری چیزیں اسی کے فائدے اور استعمال کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور خود انسان اپنے خالق کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

(۳) موجودہ زندگی کے ختم ہونے کے بعد ہر انسان اپنے خالق کے سامنے اپنے تمام افعال و اعمال کے لیے جواب دہ ہوگا۔

(۴) اس نے وقتاً فوقتاً اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے اپنے برگزیدہ بندے بھیجے، وہ سب سچے تھے۔ اُن سب کی عزت و عظمت کرنا ہر انسان کا فرض ہے۔

ان عقائد کی وجہ سے ہر انسان کے دل میں اپنے خالق کے لیے تشکر و عبادت کے گہرے جذبات نشوونما پاتے ہیں، ہر ذی روح کے ساتھ نیکی کرنے کا خیال دماغ میں پیدا ہوتا ہے اور ہر طرح کی بداخلاقی اور بدکاری کو ضبط کرنے کی صلاحیت میں ترقی ہوتی ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان ہی اصولوں کی تلقین و تبلیغ کی۔ انھوں نے یہ بھی بار بار بتایا کہ ان سے قبل جن انبیائے کرام نے ان اصولوں کی تبلیغ کی وہ سب انبیائے صادقین تھے اور ان سبھوں کی عزت و

عظمت کرنا ہر انسان کا فرض ہے۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ جن اصولوں کی ان بزرگوں نے تبلیغ کی تھی، اور جن میں امتدادِ زمانہ اور لوگوں کی جہالت اور حماقت کی وجہ سے طرح طرح کے بے سروپا غلط وحشیانہ خیالات مخلوط ہو گئے تھے، ان کی تجدید و تکمیل کے لیے وہ مبعوث ہوتے ہیں۔ انھوں نے بار بار صاف صاف فرمایا کہ وہ کوئی نیا دین نہیں لائے ہیں بلکہ قدیم دینِ صادق کی تکمیل و ترویج کے لیے بھیجے گئے ہیں۔

آنحضرتؐ میں اور انبیائے سابقین میں صرف یہ فرق ہے کہ انبیائے سابقین میں سے ہر ایک کسی خاص قوم اور ملک کی ہدایت کے لیے آیا تھا اور ان میں سے کسی نے بھی کبھی یہ دعوے نہیں کیا کہ وہ سارے بنی نوع انسان کا ہادی ہے اور نہ قرآن سے قبل کسی الہامی کتاب نے یہ دعوے کیا کہ اس کا حامل ساری دنیا کی ہدایت کے لیے آیا ہے۔ اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کسی نبی نے بھی یہ نہیں کہا کہ وہ آخری نبی ہے اور اس کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا بلکہ ان میں سے تقریباً ہر ایک نے یہی کہا کہ اس کے بعد دوسرا ہادی بھی آنے والا ہے۔

لیکن قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ: "وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا تو سارے لوگوں کے واسطے خوشی اور ڈر (کا پیام) سُنانے کو، لیکن بہت سے لوگ نہیں سمجھتے (۳۴، ۲۸)

ایک دوسری آیت میں کہا گیا ہے: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۝ (اے محمدؐ! کہہ دو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ ۷، ۱۵۸)۔

پروفیسر اگناتس گولڈ تسہیر نے اسلام پر اپنے ایک لیکچر میں ثابت کیا ہے کہ قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سارے بنی نوعِ انسان کے نبی تھے۔ (سر ولیم میور کا یہ قول کہ یہ خیال آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ان کے خلفا کے عہد میں پیدا ہوا، اُن کی لاعلمی پر مبنی ہے)۔

قرآن مجید نے یہ بھی بتایا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اساسی دینی تعلیم کی تکمیل ہوئی۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۝ (آج میں پورا دے چکا تم کو دین تمھارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمھارے واسطے دین اسلام۔ ۵، ۳)

اس آیت سے اور متعدد دوسری آیتوں سے بھی صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید دینی تعلیم میں تدریجی ارتقا کا قائل ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیام کو اس ارتقا کی آخری منزل قرار دیتا ہے اور اُن کی ذاتِ مبارک کو آخری نبی مانتا ہے اس لیے کہ جب ان کے ذریعے سے دینی تعلیم کی تکمیل ہو گئی تو کسی نبی کی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔ چنانچہ انھوں نے صاف صاف ارشاد فرمایا کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا)

ایک ایسی اعلیٰ اور اکمل ہستی کا تصور جو موجود بالذات ہو، اور انسان کی غلط کاریوں کی سزا اور اس کے اعمالِ صالحہ کی جزا اُس کو اُس کی موت کے بعد عطا کرے، انسان کے دماغ میں فطرت کی طرف سے ودیعت کیا گیا ہے۔ چنانچہ ایسی ہستی کا تخیل ہر ملک و قوم میں ہمیشہ سے رہا ہے اور موجودہ زمانہ کی وحشی اور نیم وحشی قوموں میں بھی پایا جاتا ہے لیکن اس تصور میں ابہام ہونے کی وجہ سے عام انسانی سمجھ کی کمزوری نے اس سے متعلق طرح طرح کے اوہام اور تخیلات پیدا کر لیے جن کی دلچسپ مثالیں یونانیوں اور دوسری اقوام کی قدیم اساطیر اور خرافات میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

لیکن انبیائے صادقین جن کی طبیعت اعلیٰ روحانی اوصاف سے خاص طور سے متصف تھی۔ اور جن کے دل و دماغ الہامی خیالات کے لیے خاص طور پر موضوع تھے۔ عوام کی غلط فہمیوں کا وقتاً فوقتاً ازالہ کرتے رہے اور خالص توحید الٰہی کی تلقین و تبلیغ فرماتے رہے لیکن ان برگزیدہ ہستیوں کی تعلیم اور خود ان لوگوں کی ذات کے متعلق بھی ان کے متبعین اور مقلدین نے بھی اپنی عقیدت کے جوش میں بہتیرے فاسد خیالات ملا لیے۔ اور ایسی باتیں فرض کر لیں جو ان کی خالص اعلیٰ تعلیم کی روح کے سراسر خلاف تھیں۔

بعضوں نے یقین کیا کہ خالقِ کائنات ایک سے زیادہ ہیں۔ بعضوں نے سمجھا کہ چاند سورج اور ستارے وغیرہ انسانی تقدیر کی تکمیل اور تبدیلی میں خالقِ کائنات یعنی خدا کے شریک ہیں بعضوں نے سمجھا کہ خدا بھی انسانوں کی طرح بیوی بچوں والا ہے۔ بعضوں کا عقیدہ تھا کہ انبیا اور صلحا کے اندر زیادہ اللہ تعالیٰ حلول کیے ہوئے ہے۔ اور وہ لوگ دنیاوی اور دینی معاملات کی تعمیل و تکمیل میں خدا کے شریک ہیں۔ بعض مظاہرِ قدرتِ الٰہی کو خدا سمجھ کر ان کی پرستش کرتے رہے۔ خلاصہ یہ کہ خدا کی ذات، اُس کی صفات اور اس کی قدرت انسانی تخیل کی جدت طرازی کے لیے

ایک وسیع میدان کا کام دیتی رہی۔

اس عرصۂ مدید میں انسانی تجربہ بھی وسیع ہوتا رہا۔ اور انسان کی سمجھ بھی ترقی کرتی رہی مختلف اقوام وممالک ایک دوسرے سے قریب تر ہوتے گئے۔ لہٰذا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کے لیے ہادی اور نبی کی حیثیت سے مبعوث ہوئے اور آپؐ کے بعد انسانی علم وفہم کے لیے وحی کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ آپؐ نے (۱) توحید خالص کی تلقین اور تبلیغ فرمائی اور انسانی دماغ کی کمزوریوں نے اس میں جو خیالاتِ فاسدہ پیدا کر دیتے تھے ان کو رد کر دیا۔ (۲) انسان کی عزت اور وقار کو بلند کیا۔ اس کو اشرف المخلوقات کا درجہ دیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہر انسان اپنی فطرت اور خلقت میں نیک اور صالح ہے۔ وہ اپنے سماج کی وجہ سے برائیوں کی طرف مائل ہو جایا کرتا ہے۔ خدا نے دنیا اور مافیہا کو اسی کے فائدے کے لیے پیدا کیا ہے۔ (۳) آپؐ نے بتایا کہ سارے بنی نوع انسان ایک ہی قوم ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:۔ وَكَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً (سارے بنی نوع انسان ایک ہی قوم ہیں۔ ۱۰، ۲۱) ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوا ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّن نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَاءً، (اے لوگو ڈرتے رہو اس رب سے جس نے پیدا کیا تم لوگوں کو نفسِ واحد سے اور پیدا کیا اسی سے اس کا جوڑا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں۔ ۴-۱) ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا، إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (اے آدمیو! ہم نے تم کو بنایا ایک نر اور مادہ سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور گوتیں تاکہ آپس کی پہچان ہو، مقرر عزت اللہ کے ہاں اسی کی بڑی، جس کا ادب بڑا۔ ۴۹، ۱۳)۔

ان سب آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کے مطابق سارے بنی نوع انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا ان سبھوں کو ایک دوسرے کے ساتھ محبت ومودت ہونی چاہیے۔ چنانچہ حضرت سعدی نے بھی کہا ہے:

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند — کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا نہ ماند قرار

اسی قرآنی اصول کے مطابق محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ" (بہترین انسان وہ شخص ہے جو کل انسانوں کو فائدہ پہنچائے) اور اس افادے کے لیے کسی خاص جماعت

کی تخصیص نہیں فرمائی۔ اسی طرح انھوں نے انسانی زندگی کو علی العموم مقدس قرار دیا اور اس کے لیے بھی کسی خاص جماعت کے انسان کی تخصیص نہیں فرمائی۔ انھوں نے ہر انسان کے بلا وجہ قتل کرنے کو گناہِ عظیم قرار دیا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمدردی صرف بنی نوع انسان ہی میں محدود نہ تھی، بلکہ ساری جاندار مخلوق کے لیے عام تھی۔ چنانچہ پروفیسر مارگولیتھ، جو آنحضرتؐ کے نہایت سخت نقاد تھے لکھتے ہیں:

"انھوں نے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے) اڑنے والے جانوروں پر نشانہ بازی کی مشق کو منع فرمایا۔ جو لوگ اونٹوں پر ظلم کرتے تھے، اُن کے خلاف سخت ناراضگی ظاہر کی۔ جب اُن کے بعض آدمیوں نے چیونٹیوں کی ایک چھوٹی سی پہاڑی میں آگ لگا دی تو اُن کو حکم دیا کہ وہ اس کو بجھا دیں۔ اُن کے زمانے سے کوئی عرب بھی اونٹوں کو اپنے اعزہ کی قبروں پر نہیں باندھتا کہ ایسا نہ ہو وہ بھوک اور پیاس سے مر جائیں۔ کوئی شخص بھی اپنی بھیڑ بکریوں کی آنکھیں اس لیے نہیں پھوڑتا کہ وہ خود نظرِ بد کے اثر سے بچ سکے۔ لوگ استسقا اور بارش کے لیے بیل کی دُم میں جلتی ہوئی مشعل باندھ کر جانوروں کے گلّوں میں نہیں چھوڑ دیتے۔ کوئی بھی گھوڑوں کے چہروں پر ضرب نہیں لگاتا، نہ اُن کے ایال اور دُم تراشتا ہے، اس لیے کہ دم سے وہ مکھیاں اُڑاتے ہیں اور ایال اُن کو گرمی اور سردی سے بچاتے ہیں۔ کوئی بھی گدھوں کے چہروں کو نہیں داغتا، نہ اُس پر ضرب لگاتا ہے۔ اونٹوں اور مرغیوں کو گالیاں دینا بھی ممنوع قرار دیا گیا۔ ایک دفعہ ایک عورت نے یہ قسم کھائی کہ اگر اس کا اونٹ اس کو صحیح وسلامت اس کی منزل مقصود تک پہنچا دے گا تو وہ اس کی قربانی کر دے گی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُنا تو اُس عورت کا مضحکہ اڑایا اور فرمایا، "یہ تو اس غریب جانور کی حُسنِ خدمت کا عجیب و غریب انعام ہے اور اس عورت کو اپنی قسم کا تاوان ادا کرنے سے معاف کر دیا۔"

(۴) آپؐ نے تخلیقِ انسان کی غرض وغایت صاف صاف الفاظ میں بیان فرمائی۔ قرآن مجید میں خدا فرماتا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ ۝ "اور میں نے جو بنائے ہیں جن اور آدمی، سو اپنی بندگی کے لیے۔ میں نہیں چاہتا ہوں اُن سے روزینہ اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلائیں۔ (۵۱: ۵۶-۵۸)

عبادت کی چند صورتیں، روزہ، نماز، حج اور زکوٰۃ تو فرض کی ہی گئی ہیں، لیکن وہ ان ہی اعمال و افعال میں محدود نہیں ہے، بلکہ ہر کام جو خلوص نیت کے ساتھ بغیر خود غرضی اور نفسانیت کے خلقِ خدا کو فائدہ پہنچانے کے لیے کیا جائے، عبادت میں داخل ہے۔ یہاں تک کہ بیوی بچوں کو کھلانا پلانا اُن کی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنا، ان کو تعلیم دینا بھی ارشادِ نبوی کے مطابق عبادتِ الٰہی میں داخل ہے راستے سے غلاظت اور گندگی اور کانٹوں وغیرہ کو ہٹانا بھی، اس خیال سے کہ مخلوقِ خدا ان چیزوں کے ضرر اور نقصان سے بچ سکے، عبادت میں شامل کیا گیا ہے۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے: "نیکی یہ نہیں ہے کہ تم عبادت کے وقت منہ پورب یا پچھم کی طرف کر لیا کرو، نیک تو وہ ہے جو اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، الہامی کتابوں پر اور سب نبیوں پر ایمان لاتا ہے۔ اپنا مال محبوب رشتہ داروں یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں اور غلاموں کے آزاد کرانے پر خرچ کرتا ہے۔ زکوٰۃ دیتا ہے۔ جو وعدہ کرتا ہے اس کو پورا کرتا ہے۔ یہی لوگ سچے دیندار ہیں اور یہی لوگ برائیوں سے بچنے والے ہیں۔ (۲، ۱۷۷)۔ اس طرح کی متعدد دوسری آیتیں بھی قرآن مجید سے نقل کی جا سکتی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بندگانِ خدا کے ساتھ حُسنِ سلوک ایسے نیک کاموں میں داخل ہے، جن پر انسان خدا کے نزدیک ثواب کا مستحق ہوگا۔

(۵) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا کہ دین صرف ذہنی یقین اور ایمان بالقلب ہی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ عمل صالح بھی اس کا جزو لاینفک ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں عموماً لفظ "امنوا" کے ساتھ "وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" بھی آیا ہے۔ عملِ صالح ہر وہ کام ہے جو خلوصِ نیت کے ساتھ بنی نوعِ انسان کی بھلائی کے لیے کیا جائے، وہ روحانی ہو، یا مادی، اقتصادی ہو یا سماجی اور سیاسی۔ اس لیے کہ سارے مختلف النوع انسانی اعمال و افعال ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں، اور اسلامی تعلیم کے مطابق انسان کا ہر فعل اگر خلوص نیت کے ساتھ خدا کے واسطے کیا جائے تو وہ دین اور عبادتِ الٰہی میں داخل ہے۔ ایک نہایت معتبر حدیث ہے: "اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ" (سارے اعمال کی نوعیت اُن کے متعلق نیت پر موقوف ہے)۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: "اور جو لوگ شعائر اللہ کی عزت کرتے ہیں تو وہ دل کی پرہیزگاری کی وجہ سے ہے" (۲۲، ۳۲)۔ اس کے چند آیتوں کے بعد ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کو نہیں پہنچتے (تمھاری قربانیوں کے) گوشت اور لہو، لیکن اس کو پہنچتا ہے تمھارے دلوں کا تقویٰ (۲۲، ۳۷)

سورۂ بقرہ میں ہے: "اللہ نہیں پکڑتا تم کو ناکاری پر تمھاری قسموں کی، لیکن پکڑتا ہے اس کام پر جو کرتے ہیں دل تمھارے"۔ (۲، ۲۲۵)۔

۶۔ انھوں نے بنی نوع انسان میں مساوات کی تعلیم دی اور فرمایا کہ بنی نوع انسان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت صرف اس کے خصائل و شمائل اور کردار کی وجہ سے ہوتی ہے۔ نسب و خاندان اور دولت و ثروت کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ، ارشادِ قرآنی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں اس اصول پر بہت زور دیا۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کا بھی قول ہے: تبًّا لمفتخرٍ علی عظمِ نخرٍ" (ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو فخر کرتے ہیں بوسیدہ ہڈیوں پر)۔ بنی نوع انسان میں مساوات کا عام مظاہرہ پانچ وقت کی اور عیدین کی نمازوں میں ہوتا ہے اور ان سبھوں سے زیادہ حج میں ہوتا ہے۔ جب مختلف جگہوں کے مختلف السان لوگ ایک ہی طرح کے لباس میں ملبوس اپنے خالق کی تلاش میں سرگردان اور حیراں دوڑتے پھرتے ہیں۔

۷۔ آپؐ نے بنی نوع انسان میں ہر طرح کے نزاع و فساد کی اور مفسدہ پردازی کی شدت کے ساتھ مذمت کی۔ آپؐ نے افراد، قبائل اور اقوام میں جنگ کی ممانعت فرمائی۔ دین کے لیے بھی ظلم و زبردستی ممنوع قرار دی۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (۲، ۲۵۶)۔ قرآن کا ارشاد ہے۔ دین میں آزادی کا اصول تسلیم کیا گیا ہے۔ اور لوگوں کو محبت اور دلیل و برہان کے ذریعے اپنا ہم خیال بنانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ قرآن نے حکم دیا کہ "اے ایمان والو! تم سب امن و سلامتی میں داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو" (۲، ۲۰۸)۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلم وہ ہے جس نے خدا اور بنی نوعِ انسان دونوں کے ساتھ سلامتی اور امن کا رشتہ قائم کیا۔ خدا خود امن کا بانی ہے۔ مسلمان ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو ایک دوسرے کے لیے امن و سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ جنت امن کی جگہ ہوگی۔ اسلامی تعلیم کے مطابق امن میں کسی حال میں بھی خلل نہ واقع ہونا چاہیے۔ اور اگر ایسا ہو تو جلد سے جلد پھر امن قائم کرنا چاہیے۔ قیام امن کے لیے انسانی زندگی کو، جو بہت ہی مقدس ہے قربان کرنے میں دریغ نہ کرنا چاہیے۔

چنانچہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ آپ کے قیام مکہ معظمہ سے وہاں کے قبائل میں نہایت خوفناک جنگ چھڑ جائے گی تو آپؐ نے وہاں سے ہجرت اختیار کر لی۔ جب آپؐ نے مدینہ منورہ میں قیام

اختیار کیا تو وہاں کے قبائل میں کچھ دنوں سے جو جنگ جاری تھی، اس کو موقوف کرا دیا۔ اور آپؐ کے مشورے سے وہاں کے قبائل سے جو صلح کا عہد نامہ کیا گیا، اس کی ایک شرط یہ تھی کہ ہر فریق کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ اور کسی فریق کو دوسرے فریق کے مذہبی عقیدے اور عمل میں دخل دینے کا حق نہ ہوگا۔ صرف مدینہ ہی کے باشندوں کو نہیں، بلکہ خیبر کے یہود، نجران کے نصاریٰ اور دوسرے مختلف مقامات کے باشندوں کو مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں قرآنی اور اسلامی اصول کے مطابق مذہب کے معاملے میں پوری آزادی حاصل تھی۔

۸۔ قرآن اور اسلام نے جس طرح جنگ کی ممانعت کی، اسی طرح جنگ کرنے والوں کے مقابلے میں دفاع کرنے کی اجازت بھی دی۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے: وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ (اور لڑو ان لوگوں سے جو تم سے لڑیں، لیکن ظلم نہ کرو، خدا ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ (۲، ۱۹۰)۔ چنانچہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلفا جب کبھی بھی حملہ آوروں کے خلاف دفاع کے لیے فوج بھیجتے تھے تو قائد کو حکم دیتے تھے کہ جنگ کرنے میں وہ ہرگز ابتدا نہ کریں، بلکہ پہلے صلح کی کوشش کریں اور اگر لڑنے پر مجبور ہو جائیں تو بھی بوڑھوں، عورتوں، بچوں اور راہبوں پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔ کھانے پینے کی چیزوں، درختوں اور کھیتوں کو ضائع نہ کریں۔ مُردوں کی بے حرمتی نہ کریں۔ اور قیدیوں کے ساتھ محبت کا برتاؤ کریں۔

۹۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوانینِ قدرت اٹل ہیں۔ ان میں کسی طرح کا تغیر و تبدل بغیر مشیتِ ایزدی کے نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے: وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا، وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا۔ (تو نہ پاوے گا اللہ کا دستور بدلنا، اور تو نہ پاوے گا اللہ کا دستور ٹلنا۔ ۳۵، ۴۳)۔ آنحضرتؐ سے کفار نے جب معجزات طلب کیے تو آپؐ نے فرمایا کہ میں قوانینِ قدرت کو نہیں بدل سکتا ہوں تو خود اپنی ذات کو بھی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ میں تم ہی لوگوں کی طرح ایک انسان ہوں۔ فرق صرف یہ ہے کہ خدا مجھ پر وحی اُتارتا ہے۔ قوانینِ قدرت کو تو اُن کا خالق ہی اپنی مشیت سے بدل سکتا ہے۔ چنانچہ ان کے ذریعے سے جو معجزات ظاہر ہوتے ہیں، وہ صرف خدا ہی کی مشیت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ان میں ان کا کوئی دخل نہیں ہے، وہ صرف دعا کرتے ہیں۔ ہاں انسان کو چاہیے کہ ان قوانین میں غور و فکر کرے۔ میں تو صرف اس لیے آیا ہوں کہ بنی نوع انسان کو اعلیٰ ترین اخلاق کی تعلیم دوں۔

۱۰۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف الوہیت کا اعلیٰ اور صحیح تصور، نبوت کا حقیقی مفہوم اور

انبیا کی بعثت کا مقصد دنیا کے سامنے پیش کیا بلکہ دین کے صحیح معنی بھی سمجھائے۔ مسلمانوں کے اعتقاد کے مطابق دین کا مفہوم اعلیٰ اور اکمل حد کو پہنچ گیا۔ انسانی اعمال و افعال کا ہر شعبہ دین کی حد کے اندر داخل ہے چنانچہ ان مختلف شعبوں کے متعلق اساسی اصول اسلام میں بیان کیے گئے ہیں۔

اقتصادی شعبے کے متعلق اسلام نے مال و دولت جمع کر کے رکھنے کی سخت ممانعت کی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ جو لوگ مال و دولت اکٹھا کر کے رکھتے ہیں اور ان کو گنتے رہتے ہیں وہ سخت مصیبت میں پھنسیں گے۔ (۱۰۴-۹)۔ دوسری جگہ کہا گیا ہے کہ جو لوگ جمع کر کے رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو بشارت دو تکلیف دہ عذاب کی اس دن جب کہ وہ گرم کیے جائیں گے دوزخ میں، پھر داغی جائیں گی اُس سے اُن کی پیشانیاں، اور کروٹیں اور پیٹھیں۔ یہ ہے جو تم نے جمع کیا تھا اپنے لیے۔ اب چکھو مزہ اپنے جمع جتھے کا (۹، ۳۵)۔ (فی سبیل اللہ خرچ کرنے میں وہ سب اخراجات داخل ہیں، جو خلوصِ نیت کے ساتھ بنی نوع انسان کے فائدے کے لیے ہوں۔ بیوی بچوں کی عافیت اور تعلیمی اخراجات اور فیکٹریوں کا اس نیت سے قائم کرنا کہ ان سے انسانوں کو مختلف طور پر فائدے حاصل ہوں گے، خرچ فی سبیل اللہ ہی ہے)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے بھی سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے کہ کھانے پینے کی چیزیں اور دوسری ضروریاتِ زندگی اس لیے اکٹھا کر کے رکھ لی جائیں کہ جب وہ زیادہ گراں ہوں گی تو اُن کو فروخت کیا جائے گا۔ تجارت میں غیر معمولی نفع حاصل کرنا بھی اسلامی دینی تعلیم کے خلاف ہے۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں ثابت کیا ہے کہ جماعت کی سہولت اور انتفاع کا افراد کی سہولت سے زیادہ خیال کرنا چاہیے۔ حقیقت یہ کہ اسلام میں افراد و جماعت کے نفع و نقصان میں نہایت منصفانہ توازن قائم کیا گیا ہے۔

سماجی زندگی کے متعلق بھی قرآن و حدیث میں نہایت اہم ہدایتیں کی گئی ہیں۔ چنانچہ والدین کی تعظیم و تکریم، اہلِ علم کی عظمت و عزت، بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک، بچوں کی تعلیم و تربیت، اعزا اور احباب کے ساتھ حسنِ سلوک اور ضرورت کے وقت اُن کی امداد و اعانت، قرب و جوار کے لوگوں کے ساتھ محبت و مودت کا برتاؤ کرنے کا حکم متعدد جگہوں میں قرآن اور احادیث میں آیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی کے گھر کا دھواں اس کے پڑوسی کے گھر میں نہ جانا چاہیے۔ کسی پڑوسی کے مکان کے قریب اتنی اونچی دیوار نہ اٹھانی چاہیے جس کی وجہ سے تازہ ہوا اس کے مکان میں نہ جا سکے۔

قرآن کا ارشاد ہے کہ کھاؤ اور پیو لیکن اسراف نہ کرو (۷، ۳۱) - زندگی کی مختلف ضروریات کو پورا کرنے اور اپنے فرائض کو ادا کرنے کے لیے ہر شخص کو کسبِ معاش کے خیال سے ایک نہ ایک پیشہ اختیار کرنا ضروری ہے - انتخاب میں اس بات کا خیال کرنا چاہیے کہ اس میں کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو - اور اس سے لوگوں کو فائدہ حاصل ہو - اس لیے اپنے سارے سماجی تعلقات اور فرائض کی ادائیگی میں اس کو اپنی نیت خالص رکھنا چاہیے -

اہلِ تصوف میں اس امر میں آپس میں اختلاف ہے کہ عُزلت کی زندگی بہتر ہے، یا اختلاط کی سماجی زندگی، لیکن اس میں شک نہیں کہ سچی اسلامی زندگی کے لیے سماج کے اندر رہنا ضروری ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لَا رَهْبَانِيَةَ فِي الْإِسْلَامِ" (اسلام میں راہبوں کی زندگی کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے)۔ متعدد صحابہ نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ وہ عزلت کی زندگی صرف یادِ الٰہی میں بسر کرنا چاہتے ہیں - لیکن آپؐ نے اس سے سبھوں کو منع فرمایا - عزلت کی زندگی اس لیے مناسب نہیں کہ اس سے انسان تعلیم و تعلّم سے محروم رہتا ہے جو اس کے ذہنی ارتقا کے لیے بہت ضروری ہے - دوسرے اس کے ذریعے سے مخالفتوں اور مصائب کے برداشت کرنے اور بنی نوعِ انسان کو نفع پہنچانے کے مواقع ملتے ہیں - اور آخرت کے لیے نیکی کرنے کا ذریعہ حاصل ہوتا ہے - اور (اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ) موجودہ دنیا آئندہ زندگی کے لیے سامان جمع کرنے کی جگہ ہے - ان باتوں کے علاوہ عُزلت کی زندگی میں انسانی ذہن ضعیف ہو جاتا ہے اور برائیوں سے جلد اور آسانی سے متاثر ہو جایا کرتا ہے -

اصل یہ ہے کہ اسلام انسانیت اور زندگی کے کسی ایک شعبے تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق انسانیت اور زندگی کی مجموعی ہیئت سے ہے - اسلام مختلف الحیثیات زندگی کے ایسے نظام کا نام ہے، جو اس کی ہر حیثیت پر حاوی ہے - اس کے تمام قوانین، عبادات کے متعلق ہوں، یا معاملات اور سیاسیات کے متعلق دینی قوانین ہیں - اسلامی شریعت میں حقوق کی دو حصّوں میں تقسیم کی گئی ہے: ایک حقوق العباد، اور دوسرے حقوق اللہ - نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ حقوق اللہ میں داخل ہیں - اور والدین کے، بیوی بچوں کے، پڑوسیوں کے اور دوسرے بنی نوع انسان کے حقوق حقوق العباد کہلاتے ہیں - اور اسلامی شریعت میں حقوق العباد کو حقوق اللہ پر تفوق حاصل ہے - اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اگر مغرب کی نماز کا وقت ہو جائے -

اور کسی مسلمان ڈاکٹر کے پاس کوئی مریض آجائے جس کی حالت اتنی خراب ہو چکی ہو کہ ڈاکٹر یا تو مریض کا امتحان کر کے اس کا علاج کرے اور نماز بعد میں قضا کر کے پڑھے اور یا نماز وقت پر ادا کرے اور مریض کو مرجانے دے۔ تو ایسی صورت میں ڈاکٹر کا شریعتِ اسلام کے مطابق یہ فرض ہے کہ وہ مریض کا علاج پہلے کرے اور نماز بعد میں قضا پڑھے۔

یہ ہیں دینِ قیم اور اسلام کے اساسی اصول۔ ان پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ عصرِ حاضر کے شر و فساد کو رفع کرنے کے لیے جن اصولوں پر کاربند ہونے کی ضرورت ہے، وہ اسلام کے بنیادی احکام میں داخل ہیں۔ اگر (۱) خدا کی توحید۔ (۲) انسان کی وحدت، فضیلت اور مساوات اور قوانینِ قدرت کا اٹل ہونا مان لیا جائے تو موجودہ زمانے کے اکثر بنیادی مسائل کے حل کرنے میں بہت دقت باقی نہ رہے گی۔

الفہرست

(تالیف: محمد بن اسحٰق ابنِ ندیم وراق — ترجمہ و تحشیہ: مولانا محمد اسحٰق بھٹی — نگران: مولانا محمد حنیف ندوی)

محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق کی یہ کتاب چوتھی صدی ہجری تک کے علوم و فنون اور کتب و مصنفین کی مستند تاریخ ہے اور اس موضوع سے متعلق بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں، قرآن مجید کے علوم، ادب و انشا اور اس کے مختلف مکاتبِ فکر، حدیث و فقہ اور اس کے تمام مدارسِ فکر، صرف و نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و حساب، شعر و شعبدہ بازی، طب اور صنعت کیمیا وغیرہ تمام علوم، ان کے علما و ماہرین اور اس سلسلہ کی تصانیف کے بارے میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ نیز ہندوستان اور چین وغیرہ میں اس وقت جو مذاہب رائج تھے، ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ نیز یہ بتایا گیا ہے کہ اس میں دنیا کے کس کس خطے میں کیا کیا زبانیں رائج تھیں۔

الفہرست کے اردو ترجمہ کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ چنانچہ کئی مطبوعہ نسخے سامنے رکھ اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ فاضل مترجم نے ضروری حواشی دے کر کتاب کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔

قیمت: ۲۰/: روپے

پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور (پاکستان)